# پروفیسر خالد جامعی کے ایک مضمون پر تبصرہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

جامعہ کراچی سے وابستہ معروف صاحب علم و دانش جناب خالد جامعی جن کے گراں قدر مضامین ملک کے معروف جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔ اُن کا ایک تازہ مضمون میری نظر سے گزرا جو ہمارے ملک کے اندر ہونے والے حالات کے نظریاتی اور فلسفیانہ پس منظر اور اس کے بارے میں علماء و قائدینِ وطن کی ناواقفی کی نقاب کشائی کی ایک انتہائی اہم کوشش ہے۔ اُن کے اس مضمون کا عنوان: ''جدید ریاستوں میں مذہبی جماعتوں اور علماء کی کیا حیثیت ہے''۔ ان کا کہنا ہے کہ جدید ریاست خواہ کہیں کی ہو، اور اس کے باشندے خواہ کوئی سا مذہب رکھتے ہوں، اس ریاست میں مذہبی علوم کے حاملین کی صرف چار حیثیتیں ہیں.....

۱۔ ریاستی آلہ کار کی حیثیت ۲۔ مذہب کو سیکولرائز کرنے کے عمل میں نادانستہ حصہ دار

۳۔ پریشر گروپ ۴۔ مذہب کے نام پر مذہبی قوم پرستی کے بلا معاوضہ وکیل

اس ضمن میں وہ اپنے مضمون میں امریکہ کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا بلی گراہم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''بلی گراہم (امریکہ کے مشہور عیسائی مبلغ اور مذہبی رہنما) امریکی صدور پر براہ راست اثر انداز ہوئے۔ جمی کارٹر ان سے مذہبی روحانیت حاصل کرتے رہے۔ وہ کارٹر کے مشیر اور دوست بھی تھے۔ نکسن ان کے مرید تھے۔ نکسن کے مقابلے میں جان ایف کینیڈی رومن کیتھولک تھے لہذا نکسن کو کامیاب کرانے کے لیے بلی گراہم نے اپنے مذہبی اثر و رسوخ کو استعمال کیا تا کہ ویٹی کن کے اثر کو ناکام کیا جائے۔
>
> رونالڈ ریگن بلی گراہم کو اکثر مہمان کی حیثیت میں مدعو کرتے تھے، بش سینئر نے برکت کے لیے ان کو وائٹ ہاؤس میں آنے اور قیام کرنے کی دعوت دی۔ لیکن امریکن خدا دشمن سیکولر ریاست کو مذہبی بنانے میں بلی گراہم کوئی کردار ادا نہ کر سکے اور امریکی ریاست پر کوئی اثر نہ ڈال سکے۔ کیونکہ جدید ریاست تو اپنی ماہیت و فطرت میں صرف سیکولر اور مذہب دشمن ہوتی ہے۔ وہ صرف آزادی، مساوات اور ترقی کے عقیدوں کو مانتی ہے۔ وہ ہدایت یافتہ انسان تیار نہیں کرتی وہ صرف تعلیم یافتہ انسان تیار کرتی ہے۔ جدید ریاست کا پبلک لا کبھی بھی مذہبی نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو

سکتا ہے۔ یورپین ہیومن رائٹس (URHA) نے اس اصول کو طے کر دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے علماء ان مباحث سے واقف ہی نہیں ہیں''۔

آگے ایک دوسرے عنوان کے تحت مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: ''جدید ریاست کا اصل مقصد تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ انسان ہیں، ہدایت یافتہ نہیں۔ جدید قومی جمہوری ریاست میں مذہبی تعقل کو غلبہ نہیں مل سکتا، UCHR کا فیصلہ''۔

اس وقت ہمارے ملک کے اندر بھی کم و بیش یہی صورت حال ہے۔ مذہب کو ایک ذاتی معاملہ قرار دے کر ہمارے ملک کے اکثر تبصرہ نگار الیکٹرانک میڈیا پر اسی فلسفے کا اظہار کرتے نظر آ رہے ہیں۔ صورتِ حال اس قدر سنگین ہوگئی ہے کہ کسی بھی خلافِ شرع بات یا عمل کو روکنے کی کوشش کی جائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور آپ ہمارے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ اگر کسی بے نمازی کو کہا جائے کہ تم نماز پڑھا کرو تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کبھی آپ سے کہا ہے کہ تم نماز کیوں پڑھتے ہو۔ یہ اُسی فلسفے کا نتیجہ ہے جس کا ذکر مضمون نگار نے اوپر کیا۔ تعلیم، آزادی اور ہیومن رائٹس پر زور دیا جا رہا ہے مگر انھیں ان الفاظ کے معاصر مفاہیم کا کچھ ادراک نہیں ہے، کہ جب یہ لفظ بولے جاتے ہیں تو کیا کیا عقائد و نظریات ان میں مضمرات کی طرح پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اب ہمارے دین کے مطابق تو تعلیم یا علم وہ ہے جس کے پڑھنے یا جسے حاصل کرنے کے بعد انسان میں تقویٰ کی خوبی پیدا ہو۔ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو فقط دو کف جَو

اگر ہمارے ملک کے اندر سپریم کورٹ کو جو اہمیت و حیثیت حاصل ہے وہ شریعت کورٹ کی نہیں ہے تو یہ بھی اسی فلسفہ کی وجہ ہے کہ علماء اور دین کو اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کیا جائے اور جہاں وہ استعمال نہ ہو سکیں وہ جس قدر ہو سکے انھیں سیکولر ریاست کے جابرانہ اداروں کی کٹھالی میں گلانے کی کوشش کی جائے۔ شریعت کورٹ کے جس فیصلے میں سود کے بارے میں صراحت سے استرداد کا حکم جاری کیا گیا تھا اور سود کو ختم کرنے کا کہا گیا تھا اُس کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں گئی تو وہیں کی ہو کے رہ گئی ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے سپریم کورٹ اُس کے بارے میں کچھ طے کرنے پر ہی آمادہ نہیں ہو پا رہی۔ ہماری سپریم کورٹ تو ختمِ نبوّت کے منکرین سے یہ تک نہیں پوچھتی کہ آئین کے اس فیصلے کو تم تسلیم کیوں نہیں کرتے جس میں تمھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ تم اس وطن میں رہتے ہو، اس ملک کے شہری ہونے کے سبب تمام حقوق اور فوائد حاصل کرتے ہوئے بھی اس ملک کے آئین کے فیصلے کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔

فاضل مضمون نگار جناب خالد جامعی نے اس بات کو مزید تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

''ہمارے سادہ لوح علماء کو آئینِ پاکستان اور منشورِ انسانی حقوق کے بارے میں کچھ

معلوم ہی نہیں ہے۔ پیغام پاکستان میں وہ ریاست کو جہاد کا حق دے رہے ہیں یہ حق تو آئین نے نہیں دیا علماء ماورائے آئین کیسے دے سکتے ہیں وہ تو آئین کے پابند ہیں۔ آئین کے خلاف عمل کیسے کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تو کبھی آئین میں شریعت کورٹ کی حقیقت تک نہیں پڑھی، ایسی کم زور اور بے ضرر عدالت سے وہ ابھی تک نفاذِ شریعت کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ جس عدالت کا چیف جسٹس وہ بھی بن سکتا ہے جسے عربی نہیں آتی۔ آصف علی زرداری کے ایک دوست کو چیف جسٹس بنایا گیا تا کہ چیف جسٹس کی مراعات حاصل ہو سکیں، جو نہ شریعت جانتے تھے نہ عربی۔ شریعت کورٹ کے چیف جسٹس کی شرائط ملازمت صدر ریاست جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔ اسے OSD بنا سکتا ہے، بعد میں ایک ترمیم سے یہ اختیار ختم کیا گیا۔ شریعت کورٹ کے جج کی مدتِ ملازمت صرف تین سال ہے جبکہ تمام عدالتوں کے جج کی مدت ملازمت ریٹائرمنٹ تک ہے۔ علماء کبھی آئینِ پاکستان بھی پڑھ لیں۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں شریعت کورٹ کے چیف جسٹس سوڈان کے دورے پر تھے۔ انھیں OSD بنانے کا حکم ملا وہ چیف جسٹس سے OSD ہو گئے۔ کسی جج کو سزا دینی ہو، انعام دینا ہو، ہائی کورٹ سے نکالنا ہو تو اُسے شریعت کورٹ میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جنرل مشرف کے زمانے میں سندھ کورٹ کے چیف جسٹس افضل سومرو کے خلاف بے پناہ شکایات ملیں تو سزا کے طور پر شریعت کورٹ بھیج دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے زمانے میں جسٹس شفیع محمد کو ہائی کورٹ سے شریعت کورٹ بھیج دیا گیا۔ شریعت کورٹ ایپلیٹ بینچ میں سپریم کورٹ کے دو جج ہوتے ہیں جو نہ عربی جانتے نہ اسلام۔ لیکن سپریم کورٹ کے کسی بینچ میں کسی عالم دین کو شامل نہیں کیا جاتا۔ سیکولر عدالت کو شریعت کی یا کسی عالمِ دین کی ضرورت نہیں البتہ شریعت عدالت سیکولر ججوں کے بغیر نہیں چل سکتی''۔

آگے عنوان ہے: ''منشورِ انسانی صرف فرد کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے اجتماعیت کے حقوق کی نہیں''

''منشور میں صرف اور صرف فرد کی آزادی کی حفاظت دی گئی ہے۔ کسی مذہبی اجتماعیت کے حقوق کی ضمانت نہیں دی گئی۔ کوئی بھی فرد اپنی مذہبی اجتماعیت کے خلاف کھڑا ہو گا تو ریاست فرد کے حق کی حفاظت کرے گی۔ مذہبی، لسانی، ثقافتی اجتماعیت کے حقوق کو کچل دے گی۔ اسی لیے پاکستان کی سپریم کورٹ بھی گھر سے ماں باپ کی عزت، مال و دولت، سامان، خاندان کے وقار کو لوٹ لے جانے والی لڑکی کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بناتی، اس کو نہیں پکڑتی نہ اُس سے یا اس کے آشنا سے کبھی پوچھتی ہے کہ تم نے اسلام عفّت، حیا، شرم کی اقدار کو پامال کیا۔ اپنے ماں باپ،

خاندان کی عزت کا خاتمہ کیا۔ کیونکہ ''ہیومن رائٹس'' صرف فرد کے ہیں۔ ان میں عزت، حرمت، عصمت، خاندان، مذہب، روایات کا کوئی تحفظ نہیں نہ ان کا ذکر ہے۔ ہر فرد آزاد ہے جو چاہے کر گزرے۔'' ہیومن رائٹس'' کسی اخلاقیات، اقدار کے قائل نہیں، یہ سب آزادی کی راہ کی رکاوٹیں ہیں۔ لہٰذا سپریم کورٹ صرف لڑکی اور اس لڑکی کے عاشق کے بھاگنے کے حق کو تحفظ دیتی ہے۔ اس لڑکی کے ماں باپ، خاندان، اقدار، روایات، اخلاقیات اور اسلامی اجتماعیت کے حقوق کی حفاظت نہیں کرتی۔ کیونکہ ''منشورِ انسانی حقوق'' میں کسی مذہبی، تاریخی، نسلی، لسانی، ثقافتی اجتماعیت کے حقوق ہی نہیں ہوتے۔ منشور میں صرف فرد کے حقوق ہیں۔ یہ منشور کسی اجتماعیت کا قائل ہی نہیں ہے۔ یہ آزادی کے عقیدے کی بات کرتا ہے۔ آزادی فرد کی ہوتی ہے لہٰذا حقوق بھی فرد کے ہوتے ہیں۔ اجتماعیت فرد نہیں لہٰذا اس کے کوئی حقوق نہیں۔ اگر ماں باپ، خاندان، قبیلہ بھاگنے والی لڑکی کی آزادی میں مداخلت کرے تو سپریم کورٹ سب کو گرفتار کرنے کا حکم دے گی۔ کیونکہ یہ دوسرے کی آزادی میں مداخلت ہے۔ لڑکی، اُن کی بیٹی، بہن نہیں، دوسرا Other ہے وہ تنہا Indevidual وجود ہے۔ جو چاہے کرے۔

یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس کے سو سے زیادہ مقدمات کے فیصلوں میں لکھا گیا ہے کہ کسی فرد کی مذہبی آزادی کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ فرد اس منشور کے مطابق اپنی مذہبی آزادی کو استعمال کرے گا۔ مذہب کا صرف وہ حصہ قابلِ عمل ہے جو آزادی کے عقیدے سے ہم آہنگ ہو، لیکن اگر فرد کا مذہب انسانی منشور کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے تو مذہب کے اس حکم کو انسانی حقوق کا منشور برداشت نہیں کرے گا یعنی فرد کی مذہبی آزادی صرف ''منشورِ انسانی حقوق'' کے تابع ہے۔ منشورِ انسانی حقوق آپ کے مذہب کے تابع نہیں ہے''۔

یہ صورتِ حال ہے کبھی تو اس پر سوچا جائے کہ ہم کہاں سے چلے تھے اور کہاں آ گئے ہیں۔ یہاں پر نان ایشوز پر مباحثے زوروں پر ہیں، وہاں اسلام دشمن کیا چالیں چل رہے ہیں، انھیں کوئی قابلِ توجہ ہی نہیں گردانتا۔ یہ صورت حال کہاں تک ہمیں لے جائے گی۔ ہماری سپریم کورٹ اس پر بھی کچھ غور کرے کہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور یہ فلسفہ اسلام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔